اقبال اور اتحاد ملت

ڈاکٹر محمد معز الدین

خواتین وحضرات:

حکیم الامت علامہ اقبال کو ان کے چھتیسویں یوم وفات کے موقع پر نہایت خلوص واحترام کے ساتھ نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے میں اپنی گفتگو کا آغاز ان کے اس شعر سے کرتا ہوں جو نہ صرف میری آج کی گفتگو کا موضوع ہے بلکہ اس مرد خودآگاہ کا ابدی پیغام بھی۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

ان کی نگار دورس دیکھ رہی تھی کہ ربط وضبط ملت بیضا میں ہی مسلمانوں کی سلامتی و بقا کا راز پنہاں ہے ورنہ نسلی امتیاز و برتری کا تصور سفینۂ مسلم کو ایک دن لے ڈوبے گا۔

جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر

اقبال نے جب ترانہ ہندی اور نیا شوالہ دور سے نکل کر درس حکیمان فرنگ سے عقل میں بالیدگی پیدا کر لی اور صحبت صاحب نظراں سے دنیائے دل کو منور کر لیا تو ان پر یہ راز کھلا کہ

نسل ،قومیت ،کلیسا ،سلطنت ،تہذیب ، رنگ

''خواجگی'' نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل

خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

انہوں نے دیکھا کہ مغرب میں وطنیت اور قومیت کا دیو استبداد اپنی تمام خباثوں اور ہلاکت سامانیوں کے ساتھ سر اٹھائے کھڑا ہے۔ اہل مغرب کی حکمت عملی سے ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھرنے والا ہے تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی

ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

علامہ اقبال نے اس تسبیح کے بکھرے ہوئے دانوں کو یکجا کرنے کا تہیہ کر لیا اور مغرب کے اس مکروفریب کے دام سے مسلمانوں کو بچنے کے لیے بروقت انتباہ کیا۔

قوم را ربط و نظام از مرکزے

روزگارش را دوام از مرکزے

اور یہ مرکز انہیں بیت الحرام میں نظر آیا چنانچہ انہوں نے اس ناقہ بے زمام کو سوئے قطار لانے کی کوشش شروع کر دی

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل

اس شہر خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی

تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

اب رہا یہ مسئلہ کہ جغرافیائی حد بندیاں اور وطن دوستی کا جذبہ ہمارے عالم اسلامی کی وحدت فکر سے ہم آہنگ ہے یا نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اپنی زادیوم سے محبت فطری جذبہ ہے اور اپنے وطن عزیز کی حفاظت اور اس سے جذباتی تعلق رکھنا تقاضائے بشریت ہے۔ اسی جذبے کے تحت تو شیخ سعدی نے کہا تھا کہ

خار وطن از سنبل و ریحاں خوشتر

حب وطن از تخت سلیماں خوشتر

اور علامہ اقبال کا خیال ہے کہ جغرافیائی حد بندیاں ملت اسلامیہ ک اتحاد کی راہ میں سنگ گراں ضرور ہیں مگر سد باب نہیں ہیں۔ کیونکہ تمام مسلمانوں کا فکری اور تہذیبی سرچشمہ ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے عقیدہ توحید ورسالت۔

دیکھ لیجیے امام غزالی، ابن طفیل، ابن رشد، ابن عربی، مجدد الف ثانی، جمال الدین افغانی، علامہ اقبال مختلف علاقے سے تعلق رکھتے ہوئے بھی پوری ملت اسلامیہ کے ہیرو اور اس کا مشترکہ سرمایہ ہیں۔ علامہ اقبال کا خیال ہے کہ وطنیت یا نیشنلزم کے طلسم کے دام میں اگر کوئی ایک بار آ گیا تو پھر اس سے نکلنا محال ہے اور اس طرح اسلام کا آفاقی تصور آہستہ آہستہ گم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اقبال نے کہا تھا کہ

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسے کی صدارت کرتے ہوئے اقبال

نے کہا تھا کہ مجھ کو پان اسلامسٹ کہا جاتا ہے جس سے مجھے انکار نہیں۔ مجھے یقین ہ کہ میری قوم شاندار مستقبل رکھتی ہے۔ جو مشن اسلام کا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا اور اسلامی روح آخر کار غالب آئے گی۔

اقوام مغرب نے انیسویں صدی میں چند مسلم ممالک کو اپنے زیر نگیں لا کر جب سیاسی پابندیاں عائد کیں تو مولانا جمال الدین افغانی نے سخت احتجاج کیا۔ ادھر مرزا معقوب بیگ نے سمرقند اور بخارا سے اور لیبیا میں محمد المہدی السنیوسی نے ان کے خلاف آواز اٹھائی۔ اسے حسن اتفاق کہیے یا تاریخ کو دھرانے کا عمل کہ آج جب مسئلہ فلسطین اور عالم اسلام کے اتحاد کا منصوبہ لاہور کی تاریخی سربراہ کانفرنس میں زیر غور آیا تو لیبیا ہی کے ایک جوان ہمت مرد مجاہد کرنل قذافی نے اپنی روح پرور اور ولولہ انگیز تقریر سے اپنے اسلاف کی طرح ہمارے دلوں میں نیا حوصلہ اور نیا عزم پیدا کر دیا۔

ایک مغربی مورخ C.W.Smith نے اپنی کتاب Islam in Modern History میں یہ تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں میں جو نیشنلزم کے راستے سے ایا ہے وہ یورپ کے نیشنلزم سے بالکل مختلف ہے۔

دنیا کی تاریخ کی یہ تلخ حقیقت ہے کہ جب طرابلس پر اٹلی نے حملہ کیا تو برطانیہ نے ترکی فوج کو مصر کا السنوسی راستہ دینے سے انکار کر دیا۔ عربوں نے مجبور ہو کر انور پاشا اور شیخ السنوسی کی قیادت میں جہاد کا اعلان کر دیا۔ علامہ اقبال اس جنگ سے بے حد متاثر ہوئے اور اس پر انہوں نے ایک معرکۃ الارا نظمیں لکھیں

جو لاہور کی شاہی مسجد میں پڑھی گئیں۔ علامہ نے نہایت رقت آمیز آواز میں رسالت مآب کے حضور میں طرابلس کے شہیدوں کے خون کی پیشکش کی ہے جس کا آخری شعر یہ ہے

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

اسی طرح فاطمہ بنت عبداللہ کے عنوان سے جو نظم لکھی گئی ہے وہ بھی اسی جذبہ کے اثر سے لکھی گئی ہے کیونکہ یہ چودہ سال کی لڑکی طرابلس کے غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی تھی۔ اقبال نے فاطمہ بنت عبداللہ کو اس طرح خراج تحسین پیش کیا ہے۔

فاطمہ! تو آبروئے ملت مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حور صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیان دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی

(بانگ درا ۲۳۹)

اقبال نے ملت بیضا کو مخاطب کرتے ہوئے اسی عالمگیر وحدت کی ضرورت پر بار بار زور دیا ہے چنانچہ ان کی شہرہ آفاق نظمیں ''شمع و شاعر'' ''خضر راہ'' اور ''طلوع اسلام'' اسی تحریک کی ترجمان ہیں۔

علامہ اقبال نے اپنی نظم ''وطنیت'' میں جو قید مقامی سے گزر کر وحدت اسلامی

سے مل جانے کی تلقین کی ہے اس سے کچھ لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ انہوں نے ہمیں اپنے وطن عزیز اور جغرافیائی حدود سے نکل جانے کا مشورہ دے کر ہماری انفرادیت اور ہمارے قومی تشخص کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ ایسے حضرات سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اس نظم کے ذیلی عنوان کو بھی جو خود علامہ نے قوسین میں لکھ کر دیا پیش نظر رکھیں (یعنی وطن بہ حیثیت ایک سیاسی تصور کے...... اقبال وطنیت کے جغرافیائی تصور کے خلاف نہیں بلکہ سیاسی تصور سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ کیونکہ تہذیب حاضر کے آذر نے اپنی مطلب برآری کے لیے جو بت تراشے ہیں اقبال ان تازہ خداؤں میں سب سے بڑا وطنیت کے تصور کو اس لیے سمجھتے ہیں کہ اس کا پیرہن ہی انہیں مذہب کا کفن نظر آتا ہے۔

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

وہ بازوئے مسلم کو توحید کی قوت سے قوی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو مخاطب کر کے انہوں نے کہا تھا کہ

اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

اب اس نظم کے دو بند اور ملاحظہ فرمایئے جن سے اقبال کے نقطہ نظر کی وضاحت ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی

ہے ترک وطن سنت محبوب الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے تو اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

یہ نعرہ لگا کے اور اس تصور سے سرشار ہو کر وہ اپنے آپ کو اس عالمگیر ملت کا ایک فرد قرار دیتے ہیں۔

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی نہ صفاہاں نہ سمرقند

یعنی مسلمان ایک خاص خطہ ارض سے تعلق رکھتے ہوئے بھی تمام عالم اسلام کی برادری کا ایک فرد ہے۔

ملت اسلامیہ کا یہ تصور پیش کر کے وہ ایک ایسی اجتماعی قوت پیدا کرنا چاہتے تھے جس سے عالم انسانیت سلامتی اور فلاح و بہبود سے ہم کنار ہو سکے۔

جس طرح ایک فرد کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور اپنی بقا کے لیے تکمیل خودی کی ضرورت ہے یعنی

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

اسی طرح اقوام وملل کی بقا کا راز بھی قومی خودی، ملی غیرت، ناموس، تربیت نفس و ذہنی تہذیب کے ساتھ قومی انا میں پوشیدہ ہے۔ حیات ملی کا منتہائے کمال یہ ہے کہ کسی قوم کے افراد اسلامی آئین و قرآن حکیم کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل اور زاویہ نظر متعین کر لیں تو وہ انفرادی جذبات و میلانات کو برقرار رکھتے ہوئے عالمگیر قومی وحدت کے ساتھ منسلک ہو جائیں۔ اس جمعیت کی بنا اگر نسل، رنگ، وطن اور زبان پر رکھی گئی تو وہ سخت ناپائیدار ہوگی۔ مختلف زبانوں اور مختلف ثقافتی پس منظروں کے باوجود سب مسلمان ایک ہیں۔ کیونکہ وہ سب ہی ایک ہی شاخ کے ثمر ہیں۔

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو ما حرام است
کہ ما پروردہ یک نو بہاریم

قومی اتحاد کے ساتھ اپنے عظیم مقصد کے لیے نسلی اور لسانی امتیازات کو بھول کر ساری دنیا کے مسلمان جب تک متحد نہیں ہوتے اور اشتراک عمل نہیں کرتے اس وقت تک وہ جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات میں دیتے رہیں گے۔ اپنے ملک

کو مستحکم بنانا ہمارا فرض اولیں ہے۔ آپس کی ریشہ دوانیوں اور علاقائی عصبیتوں کو دور کرنا ہمارا ایمان ہے ار ساری دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ رشتہ جوڑنا ایک مرکزی طاقت اور بقا کے لیے ضروری ہے۔

اور پاکستان کا تصور بھی اقبال نے اسی لیے دیا تھا کہ ہندی مسلمان ایک علیحدہ خطہ ارضی حاصل کریں جہاں وہ منظم مربوط اور مستحکم ہو کر ساری دنیا کے مسلمانوں کو دعوت اتحاد دے کر ایک صف میں کھڑا کریں جہاں محمود و ایاز کا فرق باقی نہ رہے۔ لاہور کی حالیہ سربراہ کانفرنس سے جس کی کامیابی کا سہرا ہمارے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سر ہے یہ واضح ہو گی اکہ جغرافیائی حدود میں رہ کر اسلامی وحدت کی تنظیم و تکمیل ممکن ہے۔ سیاسی اختلافات اور علاقائی خودمختاری اسی وقت کوئی حیثیت نہیں رکھتی جبکہ اسلامی جذبہ اخوب سب پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ چنانچہ جس وقت لاہور کی شاہی مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے سب ایک ساتھ سجدہ ریز ہوئے اس وقت یکسر امتیاز رنگ و خون مٹ گیا اور علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر نظر آنے لگی۔

عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ

اور اگر روحانی دنیا کا تعلق مادی دنیا سے ہے تو یقیناً اس وقت علامہ اقبال اپنے یہ اشعار دھرا رہے ہوں گے

یقین افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے

یہی قوت ہے جو صورتگر تقدیر ملت ہے

بانگ درا صفحہ ۳۱

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی

تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا

بانگ درا صفحہ ۳۱۲

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006